تاریخ طبری کے ماخذ

نوشتہ :- ڈاکٹر جواد علی عراق اکادمی بغداد

ترجمہ :- جناب نثار احمد صاحب فاروقی دہلی یونیورسٹی دہلی

(۲)

دیوان العرب علمائے لغت اور راویانِ شعر نے تدوینِ تاریخ کے میدان میں ایک دوسرے سے تعاون کیا۔ چونکہ شعر کو "دیوان العرب" کہا جاتا ہے لہٰذا شعر کے ساتھ اُن مناسبات کا درس بھی شروع ہوا، جو اس کے لیے یا اس کے غوامض کی تشریح کے لیے، یا ایام و رجال یا متعلقات کے سلسلے میں بیان ہوتے تھے۔ اسی طرح کلماتِ غریبہ کی تحقیق اور لغوی تحقیق کا درس بھی اس میں شامل ہوگیا۔ یا امثال و لہجات کا یا امکنہ و قبائل کا یا ایام و رجال کا بیان ہونے لگا۔

ان تشریحات کی وجہ سے بڑا زبردست تاریخی سرمایہ جمع ہوگیا جس کی تاریخی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا دشوار ہے۔ اس نے مورخوں کو بہت فائدہ پہنچایا۔ حتیٰ کہ ادب کو تاریخ سے متمائز کرنا اور تاریخ و ادب کے راویوں میں فرق کرنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ بعض رجال مثلاً ابوعبیدہ[۱] (متوفی ۲۰۹ھ) الہیثم بن عدی (م ۲۰۹ھ)[۲] محمد بن حبیب (م ۲۴۰ھ)[۳] الاصمعی عبدالملک بن قریب[۴] (م ۲۱۶ھ) السکری بن سعید

۱؎ ۲۰۸ - ۲۱۳ھ ۲ ؎ .I.P16 BROCKELMANN : SUPPL الارشاد ۷/۱۶۴،

زیدان: تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ۲/۱۰۰ ۲؎ ۲۰۶ - ۲۰۹ھ - الارشاد ۷/۲۶۰، الخطیب: تاریخ بغداد ۱۲/۵۰

BROCKELMANN: G.A.L.I.P-140 الصفدی: الوافی ۱/۵۱، ایا فعی: مرآۃ ۲/۳۲ (باقی ص آیندہ)

SUP-P. /.P 213

دم ۲۷۵ھ[1]) وغیرہ۔ ادب اور تاریخ کو ملانے والی کڑی سمجھے جانے لگے اور ادب و تاریخ کی اس درمیانی کڑی کی گرفت آج تک ڈھیلی نہیں ہوئی ہے چنانچہ ابھی تک اکثر رجالِ ادب کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں کیا جاتا ہے۔

علم التفسیر کچھ اور مواد نے بھی "تاریخ" کی تشکیل اور ارتقا میں حصہ لیا۔ انھیں میں علم التفسیر ہے جس کا بیشتر مواد ماقبل اسلام سے حاصل کیا گیا ہے جسے قدما کی اصطلاح میں "مبتدأ" کہا جاتا ہے۔ یہ وہ قسم ہے جو سیرۃ سے پہلے آتی ہے اور سیرۃ کی ابتدا پر تمام ہو جاتی ہے۔ انبیاء و رسل کے بہت سے قصّے اور ان قوموں کے حالات جن میں وہ انبیاء مبعوث ہوئے تھے مفسروں نے شرح کے ساتھ بیان کیے ہیں، حالانکہ قرآن میں ان کا ذکر اختصار سے ہوا ہے۔ ان قصّوں کا ابتدائی مواد حجاز میں، خصوصاً مدینے میں فراہم ہوا ہے پھر جو کچھ عراق میں ملا وہ مفسروں نے اس میں اضافہ کیا۔ جب اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بارے میں علم وسیع ہو گیا تو "علماء کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جو قیاس سے کام لینے لگی، اور اس نے چاہا کہ یہود و نصاریٰ کے پاس جو کچھ معارف ہیں وہ تفسیر میں بھر دیں۔ پھر جہاں انھوں نے نقص پایا اُسے اپنے قیاس سے پورا کر دیا۔ یہ اکثر و بیشتر وہ قصّے تھے جنھیں ظاہری اعتبار پر قبول نہیں کیا جا سکتا تھا اور جو باہم متناقض تھے۔ یہ سب انھوں نے تفسیرِ قرآن کے لیے وضع کیے گئے تھے . . . "[2]

ان قصّوں کو منقبتوں کی ایک ایسی جماعت کی سرپرستی حاصل ہو گئی جس نے ان کو حاصل کیا اور عوام کے وعظ و تنبیہ کا موضوع بنا لیا۔ خیالی عنصر کا اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا جس سے یہ مواد پھیلتا چلا گیا، پھر اس میں زیبِ داستاں کے لیے کلی پھُندنے لگا دیے۔ اسی نے مغازی و حروب اور ملاحم اور قیامت کی

(بقیہ حاشیہ) ۳ الفہرست/۱۰۶، الارشاد ۶/۲۷۳-۱ G.A.L. VOL I P106 SUPPL. I-P.165 ۔ السیوطی: البغیہ/۲۹ ۴ زیدان: تاریخ آداب اللغۃ العربیہ ۲/۱۰۱ (۲۱۴ھ) نیز G.A.L. VOL I P.104 F SUPPL. I. P.163

[1] ابو سعید الحسن بن الحسین السکری، الفہرست ۸/۷۸، الخطیب ۷/۲۹۶، السیوطی: البغیہ/۲۰۸ G.A.L. VOL I. P. 108 SUPPL. I. P168

[2] المذاہب الاسلامیہ فی تفسیر القرآن (باقی من آئندہ)

پیشین گوئیوں کی شکل اختیار کر لی۔ ان قصوں میں زیادہ تر قیامت کے واقعات کا بیان ہوتا ہے ۔[۴]

قصوں کے اس مواد نے عوام کے مذاق کو خاص طور سے اپیل کیا چنانچہ وہ بڑے اشتیاق کے ساتھ ان قصہ گویوں کے پاس جاتے تھے جنھوں نے مسجدوں میں اور راستوں میں اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے، یہاں وہ عموماً ایسے قصے سناتے رہتے تھے جو اکثر حد معقول سے تجاوز کر جاتے تھے ۔ تا آنکہ حاکموں کو ان قصاص پر پابندی لگانی پڑتی تھی اور علماء بھی اس کی نہی کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ: "تین چیزیں بالکل بے اصل ہیں، تفسیر، ملاحم اور مغازی"[۵]

تفسیر کو شامل کرنے سے امام موصوف کی مراد یقیناً "تفسیر بالرائی" ہے اور بلاشبہہ یہ تفسیر اسی ذیل میں آتی ہے۔ یہ وہ بدعت ہے جسے صحابہ ناپسند کرتے تھے، اس سے پرہیز کرتے تھے بلکہ اس کی نہی کرتے تھے۔

مبتداء | چونکہ ہمارے رسولؐ خاتم الانبیاء والمرسلینؑ تھے۔ قدرتی بات تھی کہ رسالت کی تاریخ اور رسول کی سیرۃ مرتب کرنے کا خیال آئے اور ان انبیاء و رسل کے حالات پڑھائے جائیں جو آپ سے پہلے مبعوث ہوئے تھے، ان کی نوعیتِ رسالت اور اس قوم کی حالت جس میں وہ بھیجے گئے تھے مرتب کی جائے۔ اس طرح تاریخ کا میدان وسیع ہوتا گیا اور تاریخِ عام سے جا ملا۔ یہ اسباق تاریخ رسول و رسالت یا "سیرۃ" کا مقدمہ بن گئے۔ چونکہ اسے آسانی سے بدایۃ السیرۃ کہا جا سکتا ہے اسی لیے علماء نے اس کے لیے اصطلاح "مبتداء" یا "مبداء"

(بقیہ ص سابق) اگنتس گولڈزیہر، ترجمہ علی حسن عبد القادر طبع اول۔ قاہرہ ۱۹۴۴ء ص ۵۵-۵۶

[۴] المذاہب/۵۵۔ ملاحم کی کتابیں سیاست عربیہ اور عرب حکومت کے انتشار کے زمانے میں خاص طور سے بہت رائج ہوئیں ان سے ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ نثر و نظم میں بہت سی کتابیں حکومتوں کی شکست و ریخت کے زمانے میں لکھی گئیں۔ ملاحم کو علم جفر سے بھی گہرا ربط ہے۔ (ملاحظہ ہو تحت الملاحم دائرۃ المعارف ۳/۱۸۸-۱۸۹) نیز DE SACY: OHRESTAMATHIE ARHBE VOL II

[۵] السیوطی: الاتقان ۲/۲۲۰ الطبری: التاریخ ۲/۲۰۰ (طبع یورپ)

GOLDZIHER: MUHMMEDANISCHE STUDIEN HELLE 1888-1890

VOL II P73 D.H.MULLER BURGEN UND SCHLOSSERI, PP67-75

وضع کرلی ہے۔ یہ حسب عادت آدمؑ کی تاریخ سے شروع ہوتا ہے اور بڑھتے بڑھتے سیرۃ میں مربوط ہو جاتا ہے یعنی جہاں رسول اللہؐ کے نسب کا بیان پہلے آتا ہے۔ پھر عام طور سے سیرۃ میں ایک اور آمیزش کردی جاتی ہے جسے ہم مغازی کہہ سکتے ہیں یہ تیسری قسم ہے۔ اس پر تاریخ سیرۃ کا اتمام ہوتا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے بعثتِ رسول تک تاریخ عالم کا یہ ربط تاریخی فکر اور مفہوم میں بہت اہم ارتقاء پر دلالت کرتا ہے اس سے مورخوں کا یہ شعور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تاریخ عربی کو ان بہت سے صفحات میں سے ایک صفحہ سمجھتے ہیں جن سے تاریخ عالم کی تکوین ہوتی ہے، یہ ممکن نہیں کہ یہ تاریخ دوسری قوموں سے بالکل الگ تھلگ رہ سکے۔ تیسری صدی ہجری میں وسیع تاریخی لٹریچر کے پیدا ہو جانے سے یہ نظریہ اور بھی مستحکم ہو گیا، جس میں قسم ثالث (مغازی) کا غالب حصہ تھا اسی کے ضمن میں تاریخ خلفاء، اسلامی فرقوں کی تاریخ، غیر مسلم امتوں مثلاً روما وغیرہ کے کوائف شامل ہونے لگے اگرچہ فی الواقع ہم اس کو مربوط و منتظم تاریخی تدوین نہیں کہہ سکتے۔ ان اسباب کی بنا پر جنہوں نے اُس زمانے کے رواجِ عام اور اندازِ فکر کی وجہ سے قیاس کو مقبول بنا دیا تھا۔ مثلاً فاصلوں کی دوری، دین کا اختلاف اور وہ جنگیں جو طرفین کے نظریات میں بُعد پیدا کر رہی تھیں۔

حقیقتہً ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ اس نہج پر سب سے پہلے کس نے اپنی کتاب مرتب کی۔ لیکن محمد بن اسحاق بن یسار (متوفی ۱۵۱ھ م ۷۶۸ء) سیرۃ نگاروں میں وہ پہلا مصنف ہے جس نے اپنی کتاب میں ان تین فصلوں یعنی (۱) مبتدا، (۲) بعثت (۳) مغازی کا اہتمام کیا ہے۔ خاور شناس پروفیسر گب کا کہنا ہے کہ وہ اپنے پیشرو اور ہم عصر مصنفوں میں سب سے زیادہ وسیع افق ذہنی اور دائرۂ فکری رکھتا ہے کیونکہ اس نے صرف رسول اللہؐ کی تاریخ ہی پر تمام توجہ مرکوز نہیں رکھی بلکہ نفسِ نبوۃ کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس اچھوتے اسلوب میں وہ انہیں تین قسموں کو شامل کرتا ہے یعنی مبتدأ: یہ عصر جاہلی کی تاریخ ہے جو تخلیقِ کائنات کے

---

(۱) ایسی متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جنہیں المبدأ یا المبتدأ کہا جاتا ہے اور ان میں انبیاءؑ کے قصے ہیں۔

ذکر سے شروع ہوئی ہے، اس کا بیشتر مسالا وھب بن منبہ اور عبرانی مصادر سے لیا گیا ہے۔ پھر المبعث یہ ہجرت کے پہلے سال تک بعثت نبوی کی تاریخ ہے اس کے بعد مغازی، جو رسول اللہؐ کے سالِ وفات تک کے حالات کو محیط ہے ۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کا یہ اسلوبِ تالیف اچھوتا نہیں ہے، کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ابن اسحاق نے وہب بن منبہ کے مؤلفات سے فائدہ اٹھایا ہے جنھوں نے انھیں تین قسموں کے التزام سے تاریخِ رسل وانبیار بیان کی تھی۔ وہ اسے سیرۃ کا مقدمۂ لازمہ اور رسالۂ رسول کا طبیعی تسلسل سمجھتے ہیں جو رسالتوں کے سلسلے کا خاتمہ بن کر آئی تھی۔

وہب بن منبہ نے جو کتابیں تالیف کیں یا املار کرائیں ان میں کتاب المبتدأ[۱] یا کتاب المبدأ[۲] یا کتاب المبتدأ والسیرۃ[۳] یا مبتدأ الخلق[۴] شامل ہے۔ اسی سے الثعلبی نے اپنی کتاب قصص الانبیار میں مدد لی ہے۔ وہ عبدالمنعم بن ادریس بن سنان ابن ابنۃ وہب بن منبہ (متوفی ۲۲۸ھ) کی روایت ہے[۵]۔ کتاب السیر اور کتاب المغازی بھی ان کی تالیفات میں سے ہیں[۶]۔

طبری نے اپنی تاریخ میں کتاب المبتدأ سے اقتباس کیا ہے[۷]۔ کبھی یہ اقتباس سیرۃ ابن اسحاق کے طریقے پر ہوتے ہیں لیکن المبعث میں ابن اسحاق نے اس سے کچھ نہیں لیا۔ اس کا ایک خاص سبب ہے کہ اس موضوع پر وہ انھیں مستند نہیں سمجھتا۔ یا یہ کہ یہ علمار مجموعی طور پر اسے قابلِ اعتبار سمجھتے ہوئے بھی اس پہلو میں ناقابلِ استناد سمجھتے تھے لیکن حکم میں یہ معیار کفایت نہ کرتا۔ یہاں تتبع اور استقصاء کے بغیر چارہ نہ تھا۔ غالباً اسی سبب سے وہب بن منبہ نے ان روایات میں سبقت کی۔ ان اقسام نے اپنے نام شاید سیرۃ ابن اسحاق ہی سے حاصل کیے۔ انھیں عبدالمنعم بن ادریس نے وضع کیا یا کسی اور نے، اس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔

---

۱ الفہرست/۱۳۸ ۲ ENCY OF ISLAM V.4. P1084 ۳ خود مصدر ۴ ابن قتیبہ: المعارف

۵ الفہرست/۱۳۸ ۶ ENCY OF ISLAM V.4.P.1084

۷ خود مصدر/۱۰۸۵

قدیم سیرۃ | پھر ان مؤلفات کی تحقیق کرنا بھی ضروری ہے جو عروۃ بن الزبیر بن العوام (متوفی مابین ۹۱ھ و ۱۰۱ھ)[1] اور ابان بن عثمان بن عفان (متوفی ۱۰۵ھ)[2] اور شرحبیل ابن سعد[3] (م ۱۲۳ھ) اور عاصم بن عمر بن قتادہ (م مابین ۱۱۹ھ و ۱۲۹ھ)[4] اور محمد بن مسلم بن شہاب الزہری[5] (م ۱۲۴ھ) و موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)[6] سے منسوب ہیں۔ ان حضرات نے سیرۃ اور مغازی میں متعدد کتابیں ترتیب دیں، جنھیں حوادث نے تاراج کر دیا اور اب ان کا کچھ نشان نہیں ملتا بجز ان چند اقتباسات کے جو بعض ان کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں جنھوں نے ان کو اپنا ماخذ بنایا تھا۔ یا بعض منتشر خطی اوراق یا رسالے جیسے کچھ اوراق برلین کی لائبریری میں محفوظ ہیں جنھیں مستشرق سخاؤ نے دیکھا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ موسیٰ بن عقبہ کی مؤلفہ کتاب السیرۃ کا ایک جزو ہیں۔ جو لوگ فن سیرۃ سے علاقہ رکھتے ہیں یا اس میں کچھ لکھتے ہیں یا اسے روایت کرتے ہیں انھیں اصحاب المغازی یا اصحاب السیر والمغازی یا صرف اصحاب السیر کہا جاتا ہے تاکہ وہ نسّاب، اہل اخبار اور وقائع بیان کرنے والوں سے الگ پہچانے جا سکیں۔ ان کی اکثر کتابوں کے نام بھی ان تین قسموں پر رکھے گئے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ مبتدا کے بارے میں، یا سیرۃ پر یا مغازی پر فلاں کی کتاب ہے۔

علم السیرۃ کا مدینے میں فروغ پانا طبعی تقاضا تھا، کیونکہ یہ دعوتِ اسلامیہ کا وطن اصلی رہا ہے اور یہیں سے اسلام پھیلا۔ اس لیے سیرۃ نے بھی مدنی لباس پہن لیا اور اُن خصائص کی حامل ہو گئی جو اہلِ حجاز سے منسوب ہیں۔ یعنی حدیث کی طرف اُن کا میلان۔ پھر انہیں نے نقد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱/۱ اس کا بیان ہے کہ یہ ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ [2] ENCY OF ISLAM V.4 P-441 [3] خود مصدر [4] تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۰۶

[5] HOROVITZ: THE EARLISST BIOGRAPHIES OF THE PROPHET AND THEIR ANTHORS. ISLAMIC CALTURE. 1927. I, 535559, 1928 II, 22-50, 164-82, 415-526

[6] SACHAU: DES BERLINER FRAGMENT DES M.B. U SSBA, 1904, XI

سے ہٹ کر روایت مجردہ کی صورت اختیار کر لی اور اس میں خیالی گھوڑے دوڑائے جانے لگے۔ اس صورت حال کا غلبہ خلفائے راشدین کے عہد تک رہا اور عہد اموی میں بھی بالعموم پائی جاتی ہے لیکن عہد عباسی میں اسے اپنے مرکز میں پناہ نہ مل سکی۔ خلیفہ المنصور کے زمانے میں محمد ابن اسحاق کی ہجرت کے وقت یا اس سے ذرا پہلے اسے زوال ہوا یعنی مدنی علمائے سیرۃ کے حریف پیدا ہونے لگے۔ یہ لوگ نہ صرف بغداد اور کوفہ و بصرہ میں تھے بلکہ مصر میں بھی ظاہر ہو گئے تھے۔ یہ طبقہ ہر چند سیرۃ ابن اسحاق سے متاثر تھا، جو اہلِ مدینہ کے میلان کی نمائندہ ہے، لیکن عراقی رجحان نے بہت جلد فوقیت حاصل کر لی، جو نقد، ایجاد اور عقلیت پسندی کی طرف مائل تھا اور جہاں اُن روایاتِ ماثورہ کی چھان پھٹک عقل کی چھلنی میں کی جاتی تھی جو اہل مدینہ کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

ابن شہاب الزہری

محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے ایک بڑا زبردست کارنامہ کیا جس کا مغازی اور تاریخ کی تشکیل پر گہرا اثر پڑا، یعنی وہ پہلا شخص تھا جس نے مختلف مصادر کی احادیث کا باہم مقابلہ کیا اور ان کے درمیان ربط پیدا کر کے انھیں ایک روایت کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہ پہلا قدم تھا جو تاریخ کے میدان میں جرأت کے ساتھ اُٹھایا گیا۔ پھر اسے مورخوں نے روایاتِ تاریخیہ کے چھاننے کا معیار بنا لیا۔ اگرچہ بعد میں اسی عمل نے غیر معتمد علیہ راویوں کے لیے جعل سازی کا ایک نیا دروازہ بھی کھول دیا۔[۵]

بعد میں حوادث نے ثابت کر دیا کہ جب کبھی اس طریقے پر بطور نقد کچھ کہا گیا، یا معترضوں نے، جن میں اہلِ حدیث پیش پیش تھے، شبہات وارد کیے، تو یہ قدم ناگزیر ثابت ہوا، کیونکہ تجربات سے ثابت ہو گیا کہ تاریخ کے میدان میں اہل حدیث کے اصول پر کاربند رہنا اور کسی حادثے کے متخالف اجزا کا تجزیہ اس طرح کر لینا کہ ہر جز اپنی جگہ پر صحیح ثابت ہو جائے، ابد تک ممکن نہیں۔ یا متون کے بڑے حصے کو اس طرح جمع کر لینا کہ ان میں ترتیب و تنظیم کی خلاف ورزی اور مناقشہ یا رائے کا دخل نہ ہو، اور تاریخ کے وہ تقاضے پورے ہو جائیں جن کا ایک ایمان دار

---

۵ دائرہ / ۴۸۶

مورخ سے مطالبہ کیا جاتا ہے، عملاً دشوار رہے۔

تاریخ الخلافۃ دوسری صدی ہجری میں تاریخ تحقیقات میں کچھ اور وسعت پیدا ہوئی جب خلافت اور خلفاء کی تاریخ لکھنے کی رَو شروع ہوئی۔ اس سے پہلے بہت سی تالیفاتِ "احداث" پر ہو چکی تھیں جنھوں نے تاریخِ خلافت مرتب کرنے والوں کو وہ سنجیدہ مواد فراہم کر دیا تھا جو عام تاریخ لکھنے کے سلسلے میں ضروری ہوا کرتا ہے اور ان کے سامنے ایسے نادر وثائق پیش کر دیے تھے جو عینی شاہدوں یا ان کے ملنے والوں سے حاصل ہوئے تھے۔ جب تدوین کا یہ رجحان اخباریوں اور احداث کا تعاقب کرنے والوں کے ذہنوں میں جوش کھانے لگا، تو انھیں میں سے ایک جماعت نے اپنے مشاہدات و مسموعات کو ڈرتے ڈرتے قلم بند کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت جب یہ لوگ ضعفِ حافظہ اور جہل سے متہم ہونے لگے تھے حالانکہ صرف حافظے پر اعتماد کرنا ہمیشہ سے ان کے دعاویٔ فخر میں رہا تھا، اور تصنیف و تالیف کے شغل کو اچھا نہیں جانتے تھے[1]۔

ممالکِ اسلامیہ میں عراق نے عہد اموی میں تاریخ الخلافہ اور کتبِ احداث کی تدوین کے سلسلے میں تقریباً پہلا نمبر حاصل کر لیا تھا اور دوسرا کوئی ملک اس کا حریف نہیں بن سکتا تھا یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے مرکز خلافت سے بہت تھوڑے دنوں تمتع کیا تھا امویوں نے اس کی طرف پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن دار الخلافہ کے باشندوں کے لیے اس تاریخ کی تدوین بالکل طبعی بات تھی کیونکہ وہ اور لوگوں کی بہ نسبت حکمت کے دائرے سے قریب اور اسرار امور سے زیادہ باخبر تھے۔ اہلِ شام پر لازم تھا کہ وہ اہلِ مدینہ کی طرح ہو جائیں کم سے کم وہ لوگ جو دار الخلافہ سے دور رہے، پھر بھی انھوں نے تاریخ خلافت سے اپنا رشتہ منقطع نہیں کیا اور ان کے رواۃ برابر احداث کا تعاقب کرتے رہے۔ اگرچہ ان معاملات

---

[1] الشعبی، تصنیف و تالیف سے اشتغال نہ رکھنے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو تدوین سے علماء کی نفرت ظاہر کرتی ہیں۔ "معمر نے ہشام بن عروہ سے روایت کی کہ اس کے باپ نے بہت سی کتابیں جلا ڈالی تھیں جن میں فقہ بھی تھی" پھر کہا: "میں اسے اپنے اہل اور مال کا صدقہ سمجھوں گا" (تہذیب التہذیب ۷/۱۸۳)

ہیں ان میں سے اکثر کو ناہی ہوئی جو حجاز اور حجازیوں سے متعلق نہیں، یا خلافت کے وہ امور جن کا خاص تعلق دوسرے اسلامی خطوں سے تھا اور حجاز سے عمومی علاقہ رکھتے تھے؛ اسی لیے دارالخلافہ کے مکاتبِ تاریخ شام کے معاملات پر زیادہ توجہ نہیں کرتے، الّا جہاں تک وہ حجاز سے متعلق ہوں۔ اور مدنی روایت سچ پوچھو تو اہلِ شام کے حق میں جانی بھی نہیں۔

مدینہ اسکول مدینہ اسلامی سوسائٹی کا دھڑکتا ہوا دل تھا یہی وہ شہر تھا جس نے اسلام کو پناہ دی اور اسے پروان چڑھایا، اس لیے اسے تاریخی اہمیت حاصل تھی۔ اس مرکز کے خاص اثرات حدیث و روایت پر پڑے۔ یہ تدقیق اور محافظت کے لیے معروف ہوا۔ اس مرکز میں روایات کی محافظت حکومت کے شام کو منتقل ہو جانے کے بعد بھی رہی۔ وہ قریش کے طبقۂ اشراف کا صرف گہوارہ ہی نہیں تھا بلکہ ثقافتِ اسلامیہ کا مرکزِ روحی بنا رہا، یہاں تک کہ اس کی قیادت کا خاتمہ ایک اور شہر یعنی بغداد نے کیا۔ چنانچہ بغداد نے سیرۃ اور مغازی پر، جو خاص مدینے کے فنون تھے اور پھر حدیث پر بھی اپنا قبضہ جما لیا۔

حکومت کے ساتھ عدمِ اتفاق کے باوصف، اہلِ مدینہ تاریخ الخلفاء کے موضوع پر برابر توجہ کرتے رہے۔ کیوں نہ ہوتا جب کہ ان کے لیڈروں کا مستقبل اس سیاستِ عامہ سے وابستہ تھا جس نے خلافت کا رخ شام کی طرف کر دیا تھا لہٰذا وہ لوگ، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، دوسرے ممالک اسلامیہ مثلاً عراق یا خراسان کی بہ نسبت شامی سیاست میں زیادہ متوجہ رہتے تھے۔ پھر جب خلافت عراق کو منتقل ہوئی تو ان کی توجہ بھی ادھر مرکوز ہو گئی اور راویوں کے نزدیک ملکِ شام کی ثانوی حیثیت رہ گئی۔ جو کتابیں رواۃ مدینہ پر اعتماد کر کے لکھی گئی ہیں یا جن پر اس مدرسۂ فکر کا اثر ہے مثلاً سیرۃ ابن اسحاق یا ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن صاحب[۵] کتاب المغازی (م ۱۷۰ھ)

---

۵ ابو معشر کا علم اور فنِ تاریخ میں خاص مرتبہ ہے۔ ائمہ نے اس کی تاریخ سے استشہاد کیا ہے، لیکن اسے حدیث میں ضعیف بتایا گیا ہے "تہذیب التہذیب ۱۰/۴۲۲ شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، ابوالفلاح عبد الحی ابن عماد (متوفی ۱۰۸۹ھ) ج۱/۲۷۸۔

خلفاء کی تالیفات یا واقدی وغیرہ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ مدینہ کے پاس تاریخ کے سلسلے میں بڑا وافر مواد موجود تھا اور ان کے پاس قلمی دستاویزیں بھی تھیں جو انھوں نے یا ان کے ہمعصروں نے مختلف ذرائع سے حاصل کی تھیں نیز انھوں نے خلفاء کے واقعات، والیوں اور بڑی ولایتوں کے حاکموں، یا غزواتِ روم وغیرہ کی خبریں حولیات (سالانہ وقائع) کی شکل میں جمع کی تھیں اور انھیں زمانی ترتیب کے ساتھ سال بہ سال مرتب کیا تھا۔[۵]

یہ جو کچھ ہم نے مختصراً بیان کیا، محدود دائرے میں اور صرف موٹی موٹی بنیادی باتوں کے بارے میں تھا، لیکن عام طور سے علمائے اہلِ مدینہ کی رغبت موضوعاتِ مجردہ اور تحقیقاتِ عامہ کی طرف زیادہ تھی وہ نہ تفصیلی تحقیق میں جانا پسند کرتے ہیں نہ ذاتی رائے کا دخل گوارا کرتے ہیں۔

---

[۵] دائرہ/۳۸۸۔

مطبوعاتِ جدیدہ

۱۹۶۴ء	(۱) تفسیر مظہری اردو جلد چہارم غیر مجلد	..	۱۲
	(۲) حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط "	..	۴
	(۳) عرب و ہند عہدِ رسالت میں "	..	۴
	(۴) ایشیا میں آخری نو آبادیات مجلد	..	۵
۱۹۶۵ء	(۱) تفسیر مظہری اردو جلد پنجم	(زیرِ کتابت)	
	(۲) حضرت عثمان ذی النورینؓ	(زیرِ کتابت)	
	(۳) لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر غیر مجلد	..	۴
	(۴) ہندوستان۔ شاہانِ مغلیہ کے عہد میں مجلد	..	۴

ناظم ندوۃ المصنفین
اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶